آسیہ مقصود

دل دریا سمندروں ڈونگھے

"آج رمشا بجو آئی تھیں۔"

بظاہر عام سے لہجے اور سادہ سے الفاظ پر مشتمل اس جملے کے تمام ممکنہ معنی و مفہوم مخاطب کی سماعت تک بخوبی پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے گود میں رکھی کتاب پر گڑی اپنی نظریں پل بھر کے لیے اوپر اٹھائیں۔

"اچھا۔" یک لفظی جواب سے نواز کر وہ دوبارہ اسی کتاب میں کھو گئے تھے۔

روحی نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔ جانتی تھی اس ایک لفظ کے تکلف کے بعد اب وہ ہرگز متوجہ نہ ہوں گے۔ دل خوش فہم ہے سو نظریں ان پر جما کر یونہی بیٹھنے پر مجبور کیے رکھا۔ وہ نہایت انہماک سے کتاب میں کھوئے ہوئے تھے۔

"اتنے پرسکون آخر کیسے رہ لیتے ہو تم۔ کوئی ملال، کوئی کسک کیوں نہیں جھلک پاتی تمہارے چہرے سے۔ کسی پچھتاوے کی بہت مدھم سی لکیر بھی تمہارے دل کے نہاں خانوں کا بھید لے کر مجھ تک نہیں پہنچتی۔ کس قدر چھپا کر رکھتے ہو تم خود کو۔" دل مضطرب کا حال اس کی ہر حرکت سے ظاہر تھا مگر لب تھے کہ خاموش۔

وہ اٹھ کر کچن میں چلی آئی۔ اب رات کے کھانے کی تیاری کرتے ہوئے دل کی بھڑاس برتنوں اور دیگر اشیا پر خوب خوب نکل رہی تھی۔ اس اٹھا پٹخ کے جواب میں برتنوں کی آہ و بکا بھی مسلسل جاری تھی۔ جب تک کھانا تیار ہو کر میز پر پہنچا اس کا غصہ بھی پسینے کے ساتھ بہہ چکا تھا مگر ایک انا تھی جو کمرے کے راستے میں دیوار بنی ہوئی تھی۔

روحی نے دروازے پر رک کر کچھ دیر سوچا پھر لاؤنج میں چلی آئی جہاں سوہا اور سویرا ہوم ورک کر رہی تھیں۔

"سوہا! جاؤ بابا سے کہو کھانا لگ گیا ہے۔" یہ اس کا

مخصوص انداز تھا جو کچھ نہ کہہ کر بھی روٹھنے کی ساری کہانی کہہ دیتا تھا۔

"جی اچھا مما!" سوہا نے کاپی بند کر کے بیگ میں رکھی اور کمرے کی جانب دوڑ پڑی۔

"بابا! مما کہہ رہی ہیں آکر کھانا کھالیں۔" اس نے بیچ راستے میں ہی پیغام رسانی کا فرض باآواز بلند انجام دیا۔

"اف! کتنی جلد باز ہے یہ سوہا بھی۔" وہ شرمندہ ہوئی۔

عدیل بھی جیسے منتظر ہی تھے فوراً" آموجود ہوئے۔

"تم نے کھانا نہیں کھانا کیا؟ اٹھو! ہاتھ دھو کر آؤ۔" وہ خفت مٹانے کو سویرا پر برس پڑی۔

فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی وہ سنی ان سنی کر کے صوفے پر جوں کی توں بیٹھی رہی فی الحال کسی سے بھی بات کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ آج کی صبح کا آغاز ہی کچھ اس طرح ہوا تھا کہ اس پر اداسی اور قنوطیت طاری ہو گئی تھی۔

"کل رمشا اگر آ ہی گئی تھی تو تم نے روک لیا ہوتا۔" ناشتے کی میز پر عدیل نے کہا تھا۔

لقمہ منہ تک لے جاتے ہوئے اس کا ہاتھ رک گیا تھا۔ وہ اگر یہ سمجھی تھی کہ بات آئی گئی ہو گئی تو یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ گزشتہ رات کچھ دریافت نہ کرنے کا ہرگز مطلب یہ نہ تھا کہ وہ اس قصے کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر گئے ہیں۔

"میرے روکنے سے رک جاتیں کیا؟ آپ جانتے تو ہیں وہ اپنی مرضی کی مالک ہیں۔" اس نے لاپروا سا انداز اپناتے ہوئے پانی کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگالیا۔

"ہوں!" عدیل نے مزید کوئی بات کرنے سے اجتناب برتا تھا تو وہ بھی شکر ادا کرتے ہوئے سوہا اور سویرا کے لنچ باکس پیک کرنے لگی۔

بچوں کی اسکول وین کے روانہ ہوتے ہی وہ لوٹی تو عدیل بھی آفس جانے کے لیے بالکل تیار کھڑے تھے۔ وہ میز سمیٹنے لگی۔

"سنو! آج تم خود چکر لگالینا۔ اگر رمشا آنا چاہے تو ساتھ ہی لے آنا۔" جاتے جاتے وہ ایک بار پھر اسے امتحان میں ڈال گئے تھے۔

"رمشا بجو' میں نے کب' زندگی کے کسی موڑ پر آپ کے لیے برا چاہا۔ جو کچھ بھی ہوا وہ تقدیر کا فیصلہ تھا اس میں میرا کیا قصور تھا۔ پھر بھی آپ نے مجھے عمر بھر کے لیے کڑی دھوپ میں ننگے پاؤں چلنے کی سزا دی ہے۔"

دو موٹے موٹے آنسو نالۂ دل پر بے قرار ہو کر اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔

"اگر آپ کے نصیب میں وہ سب نہیں تھا' جو آپ نے چاہا تو میرے حصے کی خوشیاں بھی چھین کر کیوں آپ نے مجھے تہی دامن کر ڈالا؟" وہ خود ترسی میں مبتلا ہو رہی تھی۔

فون کی گھنٹی دوسری مرتبہ مسلسل بجنے کے بعد خاموش ہو گئی تھی۔ مگر وہ دم سادھے لیٹی رہی۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد موبائل کی بیپ بجنے لگی۔

"کیا لے آئیں رمشا کو؟ یہی پوچھنے کو بے قرار ہو رہے ہوں گے۔ آفس جا کر بھی چین نہیں۔" موبائل تلاش کرتے ہوئے وہ بڑبڑائی۔

"جی فرمائیے۔" نمبر دیکھے بغیر ہی موبائل اٹھا کر کان سے لگایا تھا۔

"روحی بجو! السلام علیکم میں بول رہی ہوں صائمہ' آپ کیسی ہیں؟ کیا کر رہی ہیں؟ بچے اسکول چلے گئے؟" صائمہ گفتگو میں سانس لینے کی قائل نہیں تھی۔

"وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں۔" گھٹی گھٹی آواز میں وہ بمشکل جملہ مکمل کر پائی تھی کہ صائمہ کی باتوں کی ریل گاڑی پھر سے چل پڑی۔

"بجو! میں کافی دیر سے لینڈ لائن پر ٹرائی کر رہی ہوں۔ گھنٹی تو بجتی رہی ہے۔ مگر آپ نے ریسیور اٹھایا ہی نہیں۔ میں تو پریشان ہو گئی تھی کہ سب خیریت ہو۔ اب آپ کی آواز سنی ہے تو جان میں جان آئی ہے۔" روحی کی آواز تو شاید اس نے اب بھی غور سے نہیں سنی تھی ورنہ مضمحل لہجہ ہرگز پوشیدہ نہ رہتا۔

"آپ کہیں باہر ہیں کیا؟ مجھے لگتا ہے ہماری طرف آ رہی ہیں اچھی بات ہے آج میرا ارادہ بریانی بنانے کا ہے۔ بچوں کی فکر مت کیجیے گا۔ انہیں اسکول سے رمیز لے آئیں گے۔" تیز تیز بولتے ہوئے وہ ساری منصوبہ بندی خود ہی کیے جا رہی تھی۔

"نہیں صائمہ! آج تو گھر سے نکلنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"یہ تو اچھا نہیں ہوا۔ میں نے تو بہت کچھ کہنا تھا آپ سے۔ اپنی الجھنیں کسی اور سے کہہ بھی تو نہیں سکتی۔ میری تو کوئی بہن بھی نہیں ہے۔"

"بہن۔" روحی نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

"بس کیا بتاؤں بجو! رمشا بجو نے میرا جینا محال کر رکھا ہے۔ یہ کرو' وہ نہ کرو' یہ کھاؤ وہ پہنو' ہر ہر بات پر یوں ڈکٹیشن دیتی ہیں جیسے میں صرف ایک روبوٹ ہوں کچھ سوچ سمجھ ہی نہیں سکتی۔" دریافت نہ کرنے پر بھی وہ شروع ہو چکی تھی۔

"آخر کب تک برداشت کروں۔ اگر پلٹ کر جواب دے دوں تو فوراً" خفا ہو جاتی ہیں اور رمیز سے شکایت لگا دیتی ہیں۔ رمیز کا تو پھر آپ کو پتا ہی ہے۔"

روحی جانتی تھی یہ بے جا شکایات نہیں ہیں۔ اگر صائمہ کے لہجے میں لحاظ کا عنصر گھٹ رہا تھا تو اس کی ذمہ داری رمشا بجو پر بھی عائد ہوتی تھی۔ جس صائمہ کو وہ بڑے چاؤ سے بیاہ کر لائی تھیں اب اسی کے خلاف صف آرا رہتیں۔

"بجو! اب کل کی بات ہی لے لیں میں چکن قورمہ بنا چکی تو کہنے لگیں۔ مٹن بنانا تھا۔ اتنی گرمی میں دوبارہ ہنڈیا چڑھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ میرے انکار پر روٹھ کر گھر سے چلی گئیں۔ میں نے سوچا گھنٹہ دو گھنٹہ میں جب غصہ ٹھنڈا ہو گا تو واپس آ جائیں گی مگر ــــ وہ تو اب تک نہیں آئیں۔"

"کیا" رمشا بجو گھر واپس نہیں گئیں؟"

تمام ہمدردیاں صائمہ کے ساتھ ہونے کے باوجود اس بات پر وہ ہول گئی تھی۔

اسے تسلی دے کر فون بند کیا اور عدیل کو کال ملا کر ساری صورت حال سے آگاہ کرنے لگی۔ دل میں یہ دھڑکا بھی تھا کہ عدیل اسے کل کی لاپروائی پر بہت کچھ سنائیں گے مگر انہوں نے حسب عادت خاموشی سے فون بند کر دیا۔

رمشا بجو کے ساتھ بد تہذیبی کا برتاؤ تو ہرگز نہیں کیا تھا بس ہمیشہ کی طرح لیے دیے انداز میں ملی' وہ بھی گھنٹہ بھر بیٹھ کر چلی گئیں۔ روحی نے اوپری دل سے انہیں کھانے پر روکنا چاہا مگر وہ نہیں مانیں۔

"ہائے! میری بہن نجانے کہاں ہو گی۔" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا تھا۔

دو گھنٹے بعد عدیل کی گاڑی کے مخصوص ہارن نے ان کی آمد کی اطلاع دی تو دل کو کچھ اطمینان ہوا۔ وہ رمشا کو ڈھونڈے بغیر گھر آ ہی نہیں سکتے تھے۔

"روحی! روحی بیٹی! یہ ذرا شجی کی قمیص پر بٹن تو ٹانک دو۔" چچی امی نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔

"جی چچی امی!" ہیر برش سنگھار میز پر رکھ کر وہ فوراً پلٹی تھی لیکن انہیں جو کہنا تھا کہہ چکیں اب بھلا رک کر بات دوہرانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ قمیص پلنگ پر رکھ کر پلٹ گئیں۔ روحی نے ایک کھسیانی نظر سامنے آرام کرسی پر جھولتی رمشا پر ڈالی جس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ اسے بہت کچھ جتا رہی تھی۔

روحی نے چہرے پر آتی کھلے بالوں کی لٹوں کو کانوں کے پیچھے اڑسا اور وہیں بیٹھ کر بٹن ٹانکنے لگی۔

"ہونہہ' اسے کہتے ہیں بیوقوف احمق لوگ۔"

رمشا سے اس کی خاموشی برداشت نہ ہوئی تھی۔

"دوسروں کے کام آنا بے وقوفی نہیں ہوتی۔" اس نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو چچی امی کی نظر کمزور ہے یہ سوئی دھاگے والے کام ان سے نہیں ہوتے پھر ان کی کوئی بیٹی بھی تو نہیں ہے۔..." ورنہ وہ ہمارے تمہارے منہ کبھی نہ لگیں' رمشا نے اس کا جملہ اچک کر اپنی مرضی سے مکمل کیا تو وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔

روحی میڈم! کسی کے کام آنے میں اور بے دام کا

غلام بننے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ تمہیں لوگوں کے لہجے سمجھ کیوں نہیں آتے۔ ابھی دیکھا نہیں تم نے، انہوں نے نظر ملا کر بات تک نہیں کی صرف حکم صادر کر کے چلتی بنیں۔"

روحی کو اس کے نخوت بھرے لہجے پر حیرت ہو رہی تھی۔

روحی! رویوں کو پرکھنا سیکھو ورنہ نیکیاں کمانے کے میں ایک دن لوگوں کی خود غرضی کی بھینٹ چڑھ جاؤ گی۔" رمشا کا تلخ لہجہ خاصا بلند تھا۔ روحی گھبرا کر باہر کی سمت دیکھنے لگی "ہو سکتا ہے چچی عجلت میں ہوں۔ شاید وہ چولہے پر ہنڈیا چڑھا کر آئی تھیں۔ پھر ہم ایک ہی گھر میں رہتے ہیں تکلف کیسا۔" وہ کہنا چاہتی تھی لیکن دانستہ خاموش ہو گئی۔ رمشا سے بحث کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ وہ اس سے بھی کہیں تلخ باتیں آسانی سے کہہ جاتی تھی۔ اس نے دانت سے فالتو دھاگہ توڑ کر سوئی سمیت نلکی پر لپیٹا اور بے تاثر چہرہ لیے آئینے کے سامنے کھڑی رمشا کو بغور دیکھتے باہر نکل آئی۔ چچی باورچی خانے سے نکل رہی تھیں۔

"یہ لیں چچی! ہو گیا اور کوئی کام ہو تو بتائیں۔" اس نے بازو پر رکھی شجی بھائی کی قمیص ان کے حوالے کی۔ "نہیں" وہ اس کاس گل تھپتھپا کر آگے بڑھ گئیں۔

رمشا کو نجانے کیوں ان سے خدا واسطے کا بیر ہے۔" وہ وہیں کھڑی سوچنے لگی۔ اس کے سادہ اور بے ریا دل و دماغ میں کوئی الجھی ہوئی بات سما ہی نہیں سکتی تھی۔ ہمدرد اور پرخلوص دل اسے ابا سے ورثے میں ملا تھا۔ دوسروں کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کا خیال رکھنا' ان کے کام آنا' ابا کی طرح اسے بھی خوشی دیتا تھا۔ زخموں سے چور ابا' ہسپتال کے بستر پر جب آخری سانسیں لے رہے تھے تب بھی انہیں اپنے اس دوست کی فکر لگی تھی جو سڑک پر حادثے کے دوران ان کے ساتھ موٹر سائیکل پر سوار تھا۔

"روحی سے کہہ دو' وہ انکار نہیں کرے گی۔" یہی تو وہ جملہ تھا جو اس کے اندر توانائیاں بھر دیتا تھا۔ گھر کے کسی کونے سے کوئی پکار آئے روحی بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو جاتی۔ چچی امی کو تو خاص طور پر دن میں بیسیوں بار ایسے کام درپیش ہوتے جو صرف روحی کے ہاتھوں ہی انجام پا سکتے تھے اور روحی کے ماتھے پر کبھی شکن نہ آتی۔

"ارے! واہ بھئی' اتنے مصروف لوگ فارغ کیسے نظر آ رہے ہیں؟" اس نے بانو قدسیہ کی راجہ گدھ' سے نظریں ہٹا کر سامنے دیکھا۔ نبیل ہاتھ میں بلا تھامے اسی سے مخاطب تھا۔

آج صبح رمشا کے پیٹ میں اچانک شدید درد شروع ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ کالج نہ جا سکی۔ مجبوراً" روحی کو بھی گھر میں رکنا پڑا کیونکہ وہ اکیلے جانے سے گھبراتی تھی۔ ہمیشہ یہی ہوتا۔ رمشا اگر کسی وجہ سے کالج نہ جاتی تو روحی کو بھی چھٹی کرنا پڑتی۔ شروع شروع میں رمشا نے اسے بہت سمجھایا عدیل بھی اسے لانے لے جانے کی ذمہ داری لینے پر تیار تھا مگر وہ نہ مانتی۔ امی نے البتہ کبھی زبردستی نہ کی یوں رفتہ رفتہ سب اس بات کے عادی ہو گئے۔

آج روحی کا انگریزی کا بہت اہم ٹیسٹ تھا جس کے لیے رات گئے تک وہ تیاری کرتی رہی تھی' لیکن رمشا کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تو اسے بھی صبر کرنا پڑا کچھ دیر تو وہ یونہی پھرتی رہی پھر راجہ گدھ کا خیال آیا جو کل شام ہی عدیل نے اسے لا کر دی تھی تو دل کی کلی کھل گئی۔ کتاب اٹھائی اور پچھلے صحن میں بچھی چارپائی جا بیٹھی۔ امی اور چچی امی بازار گئی ہوئی تھیں سو فراغت ہی فراغت تھی۔ اب نبیل نے آ کر اس کا انہماک توڑا تھا۔

"کوئی کام ہے کیا؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ نبیل کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"تمہیں فارغ دیکھ کر زبان پر کھجلی تو ہونے لگتی ہے مگر اس وقت کوئی کام یاد نہیں آ رہا۔" وہ اپنے بلے سے فضا میں ہٹ لگاتے ہوئے شرارت سے بولا

"بہت باتیں کرنا آ گئی ہیں۔ شرم کرو تم سے بڑی ہوں۔"

"اچھا! تو بڑی ہو تم۔" اس نے آگے بڑھ کر روحی کی چٹیا کھینچی۔
"آنے دو چچی امی کو تمہاری شکایت لگاؤں گی۔" وہ روٹھے پن سے بولی۔
"لو ایسا بھی اب کیا کہہ دیا۔ میں تو گیند ڈھونڈنے آیا تھا۔" وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔
"تم اتنی تیز دھوپ میں کرکٹ کھیلنے جا رہے ہو؟ اب تو شکایت لگانی ہی پڑے گی۔" روحی نے بھی چٹخارہ لیا۔
"میری شکایت لگاؤ گی اچھا! ابھی بتاتا ہوں۔" نبیل نے لپک کر اس کے ہاتھ سے ناول چھین لیا۔
"ہو... ے نبیل کے بچے واپس کرو پلیز واپس کر دو۔" وہ دونوں چارپائی کے گرد آگے پیچھے بھاگنے لگے۔ نبیل ہنس رہا تھا جبکہ وہ رو دینے کو تھی۔
"نوری... نوری" شجی بھیا کی آواز لاؤنج سے آئی تھی۔ وہ خلاف عادت بہت زور سے دھاڑ رہے تھے۔ روحی اور نبیل نے رک کر ایک دوسرے کو دیکھا اگلے ہی لمحے روحی نے لاؤنج کی طرف دوڑ لگادی۔
نبیل نے موقع غنیمت جان کر کتاب چارپائی پر پھینکی اور بیٹ سنبھالتے ہوئے باہر نکل گیا۔
لاؤنج کے دروازے پر پہنچنے تک وہ صورت حال کو کافی حد تک سمجھ چکی تھی۔ شجی بھیا کافی دیر سے اپنے موبائل کا چارجر ڈھونڈ رہے تھے۔ تلاش لاحاصل نے غالباً" انہیں جھنجلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔ ویسے بھی شجی بھیا آج کل کچھ روٹھے روٹھے سے رہتے تھے۔ کبھی کسی معمولی سی بات پر کھانا چھوڑ کر اٹھ جاتے تو کبھی بڑبڑاتے ہوئے گھر سے باہر چلے جاتے۔ شاید آنے والے وقت کی اداسی اور تنہائی کے احساس نے انہیں ابھی سے آن گھیرا تھا۔ اپنا گھر محلہ، عزیز اور اپنے وطن کی مٹی چھوڑ کر پردیسی بن جانا اتنا آسان کہاں ہوتا ہے۔ مگر چچی امی تو ہمیشہ یہی کہتی تھیں کہ امریکا جانا میرے شجی کی زندگی کا سب سے بڑا خواب ہے۔ اب یہ خواب پورا ہونے جا رہا تھا تو شجی بھیا خوش کیوں نہیں تھے۔

"معلوم نہیں، کیا حقیقت ہے؟" وہ سر جھٹکتے ہوئے اندر آگئی۔ باہر کی نسبت اندر کے تاریک منظر سے مانوس ہونے میں آنکھوں کو کچھ دیر لگی تھی جب تک نوری چارجر ڈھونڈ کر شجی بھیا کے ہاتھ میں تھما چکی تھی۔ ڈھونڈا بھی کیا تھا شجی بھیا جس صوفے سے اٹھے تھے۔ اس کے ساتھ والی خالی تپائی پر موجود چارجر واحد چیز تھا جو روز روشن کی طرح عیاں تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ آندھی کے تیز جھونکے کی مانند اس کے پاس سے گزر گئے۔
کمرے کے مزید واضح ہوتے منظر نے اسے حیرت میں ڈال دیا تھا۔ شجی بھیا نے صحن میں جھاڑو لگاتی نوری کو تو حلق پھاڑ کر بلایا تھا جبکہ رمشا جو کمرے میں موجود تھیں۔ وہ کسی پتھر کی سل کی مانند ٹھہرے ہوئے زمانوں کا حصہ بنی ہوئی تھیں۔ نظریں سامنے کی دیوار پر کسی نادیدہ و ناقابل فہم تحریر کو پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔
"جاؤ! تم اپنا کام کرو۔" روحی نے حیران کھڑی نوری کو وہاں سے بھیجا اور خود رمشا کے قریب صوفے پر آکر بیٹھ گئی۔ اب کے وہاں سے ہوا ہونے کی باری رمشا کی تھی۔ مگر روحی اس کے نین کٹوروں سے چھلک جانے کو بے تاب پانی کی ان کہی داستان پڑھ چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

شجی بھیا کا سفر من چاہا تھا یا ان چاہا۔ اس کا بھید وہ کسی کو دیے بغیر پردیس سدھار گئے۔ ان کے جانے سے چچی امی کے کام بھی اچانک ہی سمٹ گئے تھے۔ اب نہ روحی کے نام کی پل پل پکار آتی تھی اور نہ ہی رمشا اس سے الجھتی تھی۔ سکوت کی ایک دبیز چادر تھی جو گھر کی مجموعی فضا پر تن گئی تھی۔ رمشا منہ لپیٹے کسی کونے کھدرے میں پڑی رہتی یا پھر امی کے ساتھ نکڑ والے ڈاکٹر کے کلینک کے چکر لگتے رہتے۔ جانے وہ کون سی بیماری تھی جو کسی طبی رپورٹ سے ظاہر نہ ہونے کے باوجود آہستہ آہستہ اسے اندر سے ختم کر رہی تھی۔ وہ ایک دیمک زدہ دیوار کی مانند لگنے

لگی تھیں۔
گھر کے باقی افراد بھی بظاہر اپنے اپنے کاموں میں لگے تھے۔ کولہو کے بیل کی مانند' بند آنکھوں سے ایک ہی دائرے میں گول گول چکر لگاتے ہوئے۔ چچا صبح ہی صبح بنا ناشتے کے اسٹور پر چلے جاتے۔ امی سر جھکائے مہر لب دال چنتی رہتیں۔ ان کی دال میں جانے کیسے کنکر تھے جو چنے ہی نہ جاتے تھے۔ چچی امی البتہ اسے کبھی کبھی اپنے کمرے میں بلا لیتیں۔
"یہ سوٹ دیکھو روحی! اچھا ہے نا؟ رکھ لو' سلوا لینا۔" وہ زبردستی اسے تھما دیتیں۔
"شعبی نے پیسے بھیجے تو میں یہ لے آئی۔ ماشاء اللہ بہت اچھی نوکری ملی ہے اسے بہت خوش ہے میرا لعل اللہ نظر بد سے بچائے۔" وہ اس کی حیران نظروں میں رقم سوال کا خود ہی جواب دیتیں۔
"کئی ایک چٹی گوری میمیں کام کرتی ہیں اس کے ساتھ' کہتا ہے امی اگر کسی ایک سے شادی کر لوں تو گرین کارڈ پلک جھپکتے میں مل جائے گا۔" ان کی بظاہر بے نیاز سی ہنسی میں دبی دبی خوشی انگڑائیاں لیتی اور روحی کی نظروں کے سامنے رمشا کی پانیوں سے بھری آنکھیں رقص کرنے لگتیں۔ وہ بد دل ہو کر باہر آجاتی۔

☼ ☼ ☼

"برف کا گولا کھاؤ گی؟" عدیل نے اچانک پوچھا تھا۔ روحی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔
"اتنے ہجوم میں چھوٹے بچوں کی طرح برف چوستی ہوئی اچھی لگوں گی؟" اس نے کالج گیٹ پر کھڑے لوگوں کے ہجوم پر نظر دوڑائی۔
"کبھی کبھار بچہ بن جانا اچھا ہوتا ہے۔" وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔
"اچھا! رہنے دو' چلتے ہیں۔" اپنا ارادہ خود ہی بدلتے ہوئے وہ بائیک کی طرف بڑھ گیا تو روحی بھی خاموشی سے آکر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔
جب سے رمشا نے کالج جانا چھوڑا تھا عدیل نے خود بخود روحی کو کالج لانے لے جانے کی ذمہ داری سنبھال لی تھی۔
وہ سدا سے ایسا ہی تھا' کم گو اور بظاہر لاتعلق نظر آنے والا۔ لیکن اس کی آنکھیں بولتی تھیں۔ اور ان بولتی آنکھوں کے فسانے صرف روحی کے دل کی دھڑکنیں ہی سمجھ سکتی تھیں۔ اظہار' نہ قول و قرار' ایک بے نام سا بندھن تھا جسے بس دونوں سمجھتے تھے۔ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے بھی دونوں میں شرم و لحاظ کی ایک دیوار تھی گویا اپنی اپنی حدیں دونوں نے طے کر رکھی تھیں اور یہی ان کے تعلق کا حسن تھا۔
عدیل ہر روز اسے کالج کے گیٹ پر اتار کر یونیورسٹی کی راہ لیتا اور واپسی پر اسے لیتے ہوئے گھر آجاتا۔ راستے بھر میں دونوں زیادہ تر خاموش ہی رہتے تھے۔
آج عدیل نے نجانے کیا سوچ کر اسے برف کے گولے کی آفر کر ڈالی تھی۔ وہ زیر لب مسکرا دی۔ اس کے پس و پیش پر وہ با آسانی مان بھی گیا لیکن پھر کچھ دور آکر ایک کیفے کے سامنے بائیک روک دی۔
"عدیل!" وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔
"دراصل میں تم سے ایک بہت ضروری بات کرنا چاہتا ہوں' جو گھر پر ممکن نہیں۔"
"اچھا! ٹھیک ہے۔" روحی کچھ سوچ کر اس کے ساتھ چل دی۔
"ہاں! اب بولو۔" اپنے سامنے رکھے اورنج جوس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے اعتماد سے کہا۔
"روحی! شعبی بھیا شاید اب کبھی واپس نہ آئیں۔ وہ بہت آگے نکل گئے ہیں۔ دل کے زخم بھلے مندمل نہ ہوں لیکن واپسی کا راستہ اب ان کی مسافتوں کو کبھی چھو کر نہیں گزرے گا۔ رمشا کے لیے اب ہمیں ہی کچھ کرنا ہے۔ اسے اس کے حال پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ دل کٹتا ہے میرا اسے یوں قطرہ قطرہ مرتا دیکھ کر۔" وہ کہہ رہا تھا اور روحی منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔ کتابوں میں سر دیے بے نیاز رہنے والا لڑکا بے خبر ہرگز نہیں تھا۔
"میں چاہتا ہوں رمشا زندگی کی طرف لوٹ آئے

اس کے لیے تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔"
"میں تیار ہوں۔" روحی نے فوراً" سے پہلے ہامی بھری۔

☆ ☆ ☆

جاڑوں کی دھوپ بادلوں سے آنکھ مچولی کھیل رہی تھی۔ کبھی چپکے چپکے صحن میں اتر کر در و دیوار سے بوس و کنار ہوتی تو اگلے ہی پل اپنی شرمیلی کرنیں سمیٹ کر کہیں روپوش ہو جاتی۔
وہ چارپائی دیوار سے لگائے آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی تھی۔ رمیز پاس ہی کھیل رہا تھا۔ امی پڑوس میں جانے سے پہلے تاکید کر گئی تھیں کہ وہ رمیز کو ہوم ورک کروا دے۔ مگر اس نے تو جیسے سنا ہی نہیں تھا۔ رمیز نے سائیکل چلا چلا کر کچے اور پکے صحن کو ایک سا کر دیا تھا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئیں۔
روحی کچن سمیٹ کر نکلی تو صحن کی حالت دیکھ کر اسے رونا آنے لگا۔
"رمیز کے بچے۔۔۔" وہ تھپڑ رسید کرنے کو لپکی مگر سیڑھیاں اترتے عدیل نے اشارے سے منع کر دیا۔
"روحی! کل کے ٹیسٹ کی تیاری ہو گئی؟ نہیں، تو جاؤ پڑھو جا کر۔ یہ سب رمشا کر لے گی۔" چارپائی پر لیٹے اس بے جان وجود کو دیکھتے ہوئے عدیل نے اونچی آواز میں کہا۔ روحی تابعداری سے اندر چلی گئی۔
"چلو رمیز تم بھی جا کر منہ ہاتھ دھو لو۔ بتول چچی نے دیکھ لیا تو شامت آجائے گی تمہاری۔" اس نے رمیز کے سر پر چپت لگائی۔
"رمشا! ایک کپ چائے تو بنا دو۔ بہت طلب ہو رہی ہے۔"
رمشا کے وجود میں کوئی حرکت نہ ہوئی تو اس نے اپنا سوال دوہرایا۔ اس بار بہ مشکل آنکھوں پر دھرا بازو ذرا سا سرکایا اور مندی مندی بے رونق آنکھوں میں اجنبیت لیے وہ عدیل کو گھورنے لگی۔
"روحی سے کہہ دو۔" اس نے کروٹ لی۔
"روحی سے کہا تو جا سکتا ہے مگر کل اس کا ٹیسٹ ہے اور نکمی کو بہ مشکل پڑھنے کے لیے بھیجا ہے۔ پھر تمہارے جیسی چائے روحی کو کہاں بنانی آتی ہے وہ تو جوشاندہ بناتی ہے۔"
ایک بے جان سی مسکراہٹ رمشا کے پپڑی زدہ ہونٹوں پر ہلکی سی چھب دکھا کر معدوم ہو گئی۔
"اچھا! اب زیادہ منتیں مت کرواؤ اور جلدی سے اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔"
عدیل طے شدہ منصوبے کے عین مطابق چل رہا تھا پھر بھی نجانے کیوں کھڑکی سے لگی روحی کا دل رک کر دھڑکا تھا۔
"سنو! یہ صحن کی حالت دیکھی ہے؟" رمشا نے اس کے پکارنے پر باورچی خانے کے دروازے میں رک کر عدیل اور صحن دونوں کو باری باری دیکھا۔
"ہمارے گھر کی لڑکیاں اب اتنی بھی بد سلیقہ نہیں کہ کیچڑ زدہ صحن میں چلتی پھرتی رہیں۔"
رمشا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا مگر گھنٹہ بعد ہی صحن شیشے کی طرح چمک رہا تھا۔
اب یہ اکثر ہونے لگا۔ رمشا کو مصروف رکھنے کے لیے عدیل کوئی نہ کوئی کام نکالتا رہتا اور رمشا اسے کر بھی ڈالتی۔
کبھی چچی امی کی پکار ہر لمحہ روحی کے تعاقب میں رہتی تھی، خاص طور پر شجی بھیا کے کام وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس کے ذمہ لگاتیں۔ نبیل چھوٹا تھا اس لیے روحی بن کہے ہی اس کی ضرورتوں کا خیال رکھتی لیکن عدیل نے اسے کبھی آواز نہیں دی تھی۔ وہ اکثر اپنے کپڑے خود استری کر لیتا۔ چائے بھی خود ہی بناتا کبھی کبھار تو اپنے کمرے کی جھاڑ پونچھ بھی خود ہی کر لیتا تھا۔ اب وہ ان کاموں کے لیے رمشا سے کہنے لگا تھا۔
روحی کو چچی امی کی ماسی ہونے کا طعنہ دینے والی لڑکی اب بھاگ بھاگ کر عدیل کے کام کرنے لگی۔
رمشا زندگی کی طرف لوٹ رہی تھی۔ ایک بدلاؤ روحی کو عدیل کی شخصیت میں بھی محسوس ہونے لگا تھا وہ کم گو اور سنجیدہ سا لڑکا اب بات بات پر ہنس دیتا۔ اکثر شام میں وہ ان تینوں بھائی بہنوں کو چہل قدمی کے

بہانے قریبی پارک لے جاتا۔ پھر وہ اور رمشا کسی بینچ پر بیٹھے سارا وقت باتوں میں مصروف رہتے جبکہ روحی رمیز کے پیچھے ایک سے دوسرے، دوسرے سے تیسرے جھولے تک بھاگتے بے حال ہوتی رہتی۔ بقول عدیل وہ رمشا کو ایک ٹھہرے ہوئے خاص لمحے سے نکالنا چاہتا تھا۔ روحی کو لگتا جیسے وہ خود کسی لمحے کی گرفت میں آگیا ہے۔

اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب عدیل، رمشا کو کیرم کھیلنے کے لیے رضامند کرتا کیرم تو وہ لوگ پہلے بھی کھیلتے تھے، رمشا اور شرجیل آمنے سامنے رہتے، وہ نبیل اور روحی میں سے اپنا اپنا ساتھی چن لیتے۔ شجی بھیا کے لاکھ کہنے کے باوجود عدیل کبھی بھی ان کے کھیل میں شامل نہ ہوتا وہ پاس ہی کرسی یا مونڈھے پر بیٹھ کر کتاب کھول لیتا اور وقتاً فوقتاً لقمے دیتا رہتا۔ روحی جیت جاتی تو خوشی اس کی آنکھوں سے بھی چھلکنے لگتی۔ رمشا اور شجی بھیا اکثر گوٹ چھپا لیتے تو وہ ان کی چوریاں پکڑ لیتا۔ آخر میں شجی بھیا سب کو آئس کریم کھلانے لے جاتے مگر عدیل کو عین وقت پر کوئی اہم کام یاد آجاتا۔

"لگتا ہے بورڈ میں اس بار ٹاپ تمہیں کرنا ہے۔" شجی بھیا اسے چھیڑتے۔

"ہاں یار! کوئی مقام بنانا ہے تو محنت کرنا پڑے گی۔" وہ سنجیدگی سے جواب دیتا۔

"مقام تو ہمیں بھی بنانا ہے مگر وہاں جا کر۔" شجی بھیا کا جان دار قہقہہ رمشا بجو کی آنکھوں کی لو بجھا دیتا۔

☆ ☆ ☆

"یہ ڈائری آپ نے کہاں سے لی؟" روحی اپنے اور رمشا کے مشترکہ کمرے میں آئی تو وہ ایک ڈائری پلنگ پر رکھے کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔ یہ وہی ڈائری تھی جو روحی نے چند روز قبل ایک اسٹیشنری شاپ (کتابوں کی دکان) پر دیکھی تھی۔ کالج سے واپسی پر وہ ایک کتاب لینے کے لیے رکی تھی جہاں عدیل کو یہ ڈائری اچانک پسند آگئی تھی۔

"عدیل نے دی ہے۔ کہہ رہا تھا سوچیں جمع کر کے دماغ پگھلانے کی ضرورت نہیں اس میں لکھ دیا کرو۔" وہ چہکی تھی۔

"ہوں! اچھی بات ہے۔" روحی نے زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی "لاؤ ہم بھی تو دیکھیں کیا لکھا ہے آپ نے۔"

"اوں، ہوں! ہر ایک کو دکھانے کی چیز نہیں ہے۔" جیسے ہی روحی نے آگے بڑھ کر ڈائری کے کھلے صفحات پر نظر دوڑانا چاہی رمشا نے اسے بند کر کے اٹھا لیا اور پلنگ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اب کے روحی کے چہرے سے زبردستی کی مسکراہٹ بھی غائب ہو گئی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے لڑکیو!" عدیل دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اندر آگیا۔

"کچھ خاص نہیں، تم بتاؤ کیا پلان ہے؟" روحی سے پہلے ہی رمشا نے جواب دیا۔

"ہاں! میرے پاس واقعی ایک خاص پلان ہے۔" عدیل کی نظریں رمشا پر مرکوز تھیں روحی سر جھکا کر ناخن دیکھنے لگی۔

"وہ کیا؟" رمشا کا اشتیاق قابل دید تھا۔

"عید آرہی ہے تو سوچا تم لوگوں کو عید کے جوڑے دلوا دیے جائیں، کیوں روحی؟" عدیل کی یادداشت شاید ابھی ابھی واپس آئی تھی۔

"نہیں! مجھے تو چچی امی نے دلوا دیا ہے، تم لوگ جا کر لے آؤ۔" اس کے منہ سے بلا ارادہ ہی نکل گیا۔

عدیل کے چہرے پر خفگی کی ہلکی سی پرچھائیں ظاہر ہوئی تھی لیکن رمشا حیران کر دینے کی حد تک پرسکون تھی۔ چچی امی روحی کو اکثر ہی کچھ نہ کچھ دلوا دیا کرتی تھیں۔ تب رمشا ان اشیا کی اٹھا پٹخ کے ساتھ روحی کو خوب باتیں بھی سناتی۔

"چچی کی شاپنگ کا بوجھ اٹھانے ساتھ گئی تھیں اسی کا معاوضہ دیا ہے تمہیں۔"

اور اب ان ہی چچی کے بیٹے کے ساتھ خریداری پر جانے کے لیے وہ جھٹ پٹ تیار ہو گئی تھی۔

اپنی جگہ پر گم صم بیٹھی روحی کھلے دروازے سے دونوں کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی ان کا ہنستا مسکراتا ہوا ساتھ' آنے والے دنوں کے لیے شاید تقدیر کو بھی بھا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"خالہ امی! آپ ہمارے گھر رہ جائیں نا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ کبھی نہ جائیں۔" سوہا' رمشا کی گود میں سر رکھے مچل رہی تھی۔ کریلے پھیلتے ہوئے روحی کے کان کھڑے ہو گئے۔

"آپ کو بہت مزے کی کہانیاں آتی ہیں۔ ہماری مما کے پاس تھوڑی سی کہانیاں ہیں وہی بار بار سنا دیتی ہیں۔" اس کے گھٹنے سے لگ کر کھڑی سویرا نے بھی اپنی توتلی زبان میں گویا اہم راز افشا کیا۔

"سچ ہی تو کہہ رہی ہیں دونوں۔ میری کہانیاں تو کب کی ختم ہو گئیں۔" روحی کے دل میں ہوک اٹھی تھی۔

"خالہ امی! آپ بہت اچھی ہیں۔ ہمارے ساتھ کارٹونز بھی دیکھتی ہیں اور ہوم ورک بھی خود کرواتی ہیں۔ ہماری مما تو۔۔۔"

"سوہا۔" روحی کے جھڑکنے پر سوہا سہم کر خاموش ہو گئی۔

"بیٹا! آپ لوگ ہوم ورک کر لو' پھر کارٹون بھی دیکھیں گے۔" رمشا نے دھیمی آواز میں دونوں کو پچکارا اور روحی سے نظریں چرا کر دیکھتے ہوئے خود بھی اٹھ گئی۔

عدیل' رمشا کو اس کی کسی سہیلی کی گھر سے لائے تھے۔ سہیلی کے گھر کا پتا اور رمشا کے وہاں موجود ہونے کے بارے میں معلومات عدیل کو کیسے حاصل ہوئیں اس کے متعلق کچھ بتانا انہوں نے ضروری خیال نہ کیا تھا اور روحی کی سوچوں کا جال مزید الجھ گیا تھا۔ ذہن منتشر تھا تو بنتے کام بھی بگڑ رہے تھے۔

کل رات بریانی بنائی تو چاول زیادہ گل کر چپک

"یہ بریانی ہے یا کھچڑی؟" عدیل نے پلیٹ اور اسے باری باری گھورا۔

رمشا کھلکھلا کر ہنس دی۔ روحی کا دل چاہا' وہ بھی جاہل عورتوں کی طرح ہاتھ نچا کر کہہ دے "کھچڑی تو ڈرائنگ روم میں پک رہی تھی۔ قہقہوں کا تڑکا کچن تک سنائی دیتا تھا ایسے میں بھلا اچھی بریانی کیسے بنتی۔"

آج صبح عدیل اور رمشا چہل قدمی کے لیے نکل گئے اور اس کے سارے پلائس جل کر کوئلہ ہو گئے آملیٹ میٹھا بنا اور چائے نمکین' اب وہ قیمہ کریلے بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔۔۔

"اک عرصہ ہو گیا رمشا! تمہارے ہاتھ کے بنے قیمہ کریلے نہیں کھائے۔" راہداری سے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے عدیل نے اونچی آواز میں رمشا کو مخاطب کیا۔

"روحی! آج تم آرام کرو' کھانا رمشا بنا لے گی۔" فرمان جاری ہوتے ہی روحی نے سبزی کی ٹوکری چپ چاپ رمشا کے حوالے کر دی اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔

"کھانے کا مزا تو اب آئے گا' چھٹی وصول ہو جائے گی۔" عدیل کی خوشی سے بھرپور آواز اسے یہاں تک سنائی دی تھی۔ گرم سیال چپکے چپکے اس کے گالوں کو بھگونے لگا۔

☼ ☼ ☼

"بجو! آج تو ہم آپ کو لیے بغیر نہیں جائیں گے۔" رمیز نے بہت مان سے رمشا کا ہاتھ تھاما۔ وہ کئی روز سے مسلسل انہیں گھر واپس چلنے پر آمادہ کر رہا تھا۔ کبھی عدیل منع کر دیتے تو کبھی سوہا اور سویرا آڑے آجاتیں۔ وہ بھی نہایت مستقل مزاجی سے روز ہی چلا آتا۔ آج تو صائمہ بھی ہمراہ تھی۔ وہ خاصی پشیمان لگ رہی تھی لیکن رمشا کا رویہ بدستور ہتک آمیز تھا۔ انہوں نے صائمہ کے سلام کا جواب تک نہیں دیا۔ گفتگو کے لیے ایک دو بار کی ناکام کوشش کے بعد اب وہ کونے میں لگی بیٹھی تھی۔ اور بجو کا لاڈلا رمیز ان کی

منتیں کر رہا تھا۔
"بجو! عید کی آمد ہے۔ آپ اپنے گھر چلیں تاکہ ہم بھی عید کی خوشیاں منا سکیں۔ ابھی قربانی کا جانور بھی لینا ہے۔ یہ مسئلہ حل ہو تو میں اس طرف توجہ دوں۔"
اب وہ روحی کی جانب مدد طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے نظریں چرالیں۔
"میرے جانے سے تو تمہارے مسئلے کئی گنا بڑھ جائیں گے۔" رمشا نے روٹھے پن سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑایا۔
"عید تو ہر سال آتی ہے بلکہ سال میں دو مرتبہ۔ اس میں نیا کیا ہے؟" عدیل پہلی بار بولے۔
"سنا ہے، نبیل آرہا ہے بیوی بچوں سمیت۔" روحی کی بات پر رمشا اور عدیل بیک وقت چونکے۔
"تم سے کس نے کہا؟" عدیل کے متوازن لہجے میں ہلکی سی تلخی تھی۔
"جویریہ کا فون آیا تھا۔" روحی نے نبیل کی بیوی کا نام لیا اسے اپنا آپ بلاوجہ چور سا محسوس ہونے لگا۔
"ہاں۔۔۔ ہاں، اطلاع تو مجھے بھی ہے مگر نبیل کہہ رہا تھا ابھی کنفرم نہیں ہوا۔" عدیل کے ہکلانے کی وجہ روحی کے لیے ناقابل فہم تھی۔
"بجو! صائمہ نے آج کچھ خاص انتظامات کر رکھے ہیں آپ کے استقبال کے لیے۔" پہلو بدلتی ہوئی بات کو رمیز نے عین وقت پر دامن سے پکڑ کر واپس لا کھڑا کیا۔
"ادھر آکر بتاؤ نا صائمہ!" وہ اچھا شوہر ہونے کا ثبوت دے رہا تھا۔
صائمہ بھی جھٹ سے اٹھ کر رمشا بجو کے گلے کا ہار بن گئی۔ جواباً ان کا دل بھی کچھ نرم پڑا۔
"رمیز! رمشا یہ عید ہمارے ساتھ کرے گی۔" عین وقت پر جب سب کچھ ٹھیک ہو رہا تھا۔ عدیل حتمی فیصلہ سنا کر اٹھ گئے۔

☆ ☆ ☆

خوشی کی طرح غم کا بھی اپنا ہی ایک رنگ ہوتا ہے۔ دکھ، اذیت، اداسی اور کبھی کبھی پچھتاووں میں ڈوبا ہوا یہ رنگ ہر چہرے پر مختلف عکس اور الگ زاویوں سے ظاہر ہوتا ہے ایک ہی غم کسی چہرے پر ہلکی سی پرچھائیں بن کر نظر آتا ہے تو کسی چہرے کو مکمل تاریکی میں بدل دیتا ہے۔ کہیں اس کا سایہ عارضی ہوتا ہے تو کہیں سمندر دلوں میں اتر کر ہر چیز کو فنا کر دیتا ہے۔
شجی بھائی نے غم کا یہ رنگ خود اپنے ہاتھوں سے گھر کے ہر فرد کے چہرے پر مل دیا تھا۔ انہوں نے خود سے دس سال بڑی ایک امریکن شہری کیرن سے شادی کر لی تھی۔
چچا نے اس غم کو ایسا دل سے لگایا کہ بستر کے ہو کر رہ گئے۔ ان کی کراہوں میں چھپی سسکیاں روحی کے آنسوؤں میں مزید اضافہ کر دیتیں۔ امی کے کام بھی مزید طول پکڑ گئے تھے۔ وہ ہنڈیا بھونتیں تو بھونتی ہی چلی جاتیں۔
"امی، امی! ہنڈیا جل رہی ہے۔" اس کے بار بار پکارنے پر "جانے کتنے زمانوں کی دوری سے لوٹتیں کہ انہیں روحی کی بات سمجھ میں ہی نہ آتی، بے بسی سے اسے دیکھنے لگتیں۔
"شجی بھیا پر دنیا ختم نہیں ہو جاتی۔ امی! رمشا کو رشتوں کی کمی نہیں ہے۔" وہ انہیں سمجھانا چاہتی مگر وہ سنتی ہی کہاں تھیں گندھے ہوئے آٹے کو دوسری پھر تیسری بار گوندھنے بیٹھ جاتیں۔
چچی امی کا ردعمل روحی کی سمجھ سے باہر تھا۔ کبھی وہ بہت خوشی خوشی شجی کی ولایتی دلہن کا تصوراتی سراپا سوچ سوچ کر خوش ہوتیں اور دھیمی آواز میں سہرے گانے لگتیں۔ پھر اچانک کسی سوچ کے زیر اثر غمگین ہو جاتیں اور پہروں گم صم رہتیں۔ مگر وہ ہستی جس سے روحی کو سب سے زیادہ ردعمل کی توقع تھی بالکل پرسکون، اپنے روزمرہ کے معمولات میں اس طرح سے مصروف تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔
"شجی بھیا کا یہاں سے چلے جانا ہی ایک غلط قدم تھا۔ اگر انہیں واقعی رمشا بجو سے محبت تھی تو یہاں رہ کر اپنا مقدمہ لڑتے۔ حقیقت سے نظریں چرا کر

انہوں نے اپنے ساتھ ساتھ رمشا بجو کو بھی دکھ دیا۔ بنا کوشش کے ہی ہار مان لینا تو بزدلی ہے۔" روحی کے دل کی بات آج پہلی بار زبان پر آئی تھی۔ وہ دونوں اسی کیفے میں بیٹھے تھے۔ آج وہ روحی کے کہنے پر یہاں آئے تھے۔ دل پر دھرا منوں بوجھ آخر کسی سے تو بانٹنا تھا اسے۔

گھر بھر میں عدیل ہی وہ واحد شخص تھا جس نے بڑے حوصلے سے ساری صورت حال کا سامنا کیا تھا۔ اسے بھی عدیل پر مان تو بہت تھا۔ لیکن کئی روز سے اس کے لیے دل میں موجود ننھا سا جذبہ ہولے ہولے دوش پر تھا۔ دل میں بسا چہرہ خود سے دور کہر کی تہوں میں چھپا ہوا نظر آتا۔ مگر اس کے علاوہ بھی تو کوئی نہیں تھا۔۔۔ امی کا دکھ تو چپ رہ کر بھی بھرے ہوئے چھالوں کی طرح رہتا تھا روحی ان کی اذیتوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"تو کیا تم واقعی نہیں جانتیں؟" میز پر پڑی کی رنگ سے کھیلتے ہوئے عدیل نے چونک کر روحی کو دیکھا۔

"کیا؟" وہ اپنی یادداشت کے سب ہی کونوں کھدروں میں جھانک آئی۔

"شجی بھیا کے مقدمے کا فیصلہ دو ٹوک ہو چکا تھا ورنہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے والوں میں سے ہرگز نہیں تھے۔ ہر کوشش ہر حربہ ناکام کیا کیا جتن نہیں کیے انہوں نے۔ وہ نکاح کر کے رمشا کو ساتھ لے جانا چاہتے تھے لیکن آخر میں تو وہ اس بات پر بھی راضی ہو گئے کہ فی الحال صرف نکاح کر دیا جائے اور رخصتی دو سال بعد ان کی واپسی پر۔ لیکن امی کا ایک ہی جواب تھا۔

"میں نے بچپن سے تیرے لیے جسے سوچ رکھا ہے تیری بیوی بن کر اس گھر میں صرف وہی آئے گی۔ کم از کم میری زندگی میں کچھ اور ممکن نہیں۔"

اسے حیرتوں میں ڈال کر وہ خود ایک بار پھر چابی کے چھلے سے کھیلنے لگا تھا۔

چچی امی کے رویے میں رمشا بجو کے لیے ناپسندیدگی ہمیشہ سے تھی لیکن اسے وہ رمشا بجو کے مشروط سمجھتی تھی۔ کیونکہ شاید ہی کوئی ایسا دن ہو جب رمشا نے چچی امی سے بدلحاظی سے بات نہ کی ہو۔

"اب اگر ذکر چھڑ ہی گیا ہے تو ایک بات اور بھی بتا دوں۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "رمشا نے شجی بھیا کی آفر قبول نہ کر کے امی ابا پر اس گھر پر بلکہ ہم سب پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔"

"کون سی آفر۔۔۔!" وہ گھٹی ہوئی آواز میں بہ مشکل بولی۔

Downloaded From Paksociety.com

"رمشا اگر شجی بھیا کے ہمراہ گھر سے چلی جاتی تو ہم سر اٹھا کر کبھی نہ چل سکتے۔ اس نے اپنی محبت کو تو مار ڈالا مگر ہم سب کی عزت بچالی۔" بے تاثر گفتگو کرنے والے عدیل کے لہجے میں آج جذبات بول رہے تھے۔ روحی گنگ بیٹھی اسے دیکھنے لگی۔

"تو احسان اتار رہے ہو تم آج کل؟" روحی کی نظروں میں رقم تھا۔ مگر اس کے الفاظ حلق سے جا چپٹے تھے۔ وہ بولتی بھی تو کیا۔ بے خبر ہی نہیں وہ بے وقعت بھی تھی۔ ایک کہانی رمشا اور شرجیل کی تھی جو شاید اپنے منطقی انجام کو پہنچ چکی تھی۔ دوسری کہانی رمشا اور عدیل کی تھی جو شروع ہوا چاہتی تھی، نہیں، بلکہ کب سے اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔

روحی کے الفاظ ہی نہیں کھوئے تھے اس کا کردار بھی کسی گم نام کہانی کی بھول بھلیوں کی نذر ہو گیا تھا۔ وہ کون تھی، کیا تھی، کس کہانی کا حصہ تھی یہ سب باتیں اب بے معنی تھیں۔

بے اختیار امڈ آنے والے آنسوؤں کو اس نے بے دردی سے پونچھ ڈالا اور چادر سنبھالتے ہوئے اٹھ گئی۔ کیفے سے باہر آتے ہوئے خود سے چند قدم پیچھے چلتے، اس شخص کے لیے دل کے کسی کونے سے ایک خواہش ابھی بھی ابھر رہی تھی۔

"کاش! وہ اتنا تو پوچھتا تم کیوں رو رہی ہو۔"

☆ ☆ ☆

آج انکشافات کا دن تھا۔ گھر لوٹی تو چچی امی منتظر تھیں۔ عدیل اسے گھر کے دروازے پر چھوڑ کر کہیں

چلا گیا تھا۔ اندر آئی تو چچی کو بے چینی سے ٹہلتے ہوئے پایا۔

"میرے کمرے میں آؤ۔ تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر پلٹ گئیں۔

"شجی نے جو کچھ بھی کیا میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا تھا۔" اسے کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر وہ بلا تمہید شروع ہو گئیں شاید ان کے صبر کا پیمانہ بھی اب لبریز ہو چکا تھا۔ روحی ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے ان کے قریب جا بیٹھی۔

"وہ میرا سب سے تابعدار بیٹا تھا۔ تم نے بھی ہمیشہ سگی ماں کی طرح میرا احترام کیا ہے۔ تم دونوں کی جوڑی جچتی بھی بہت تھی۔"

"کیا!" روحی کو لگا وہ زمین میں گڑے نوکیلے پتھروں کی زد میں آگئی ہے۔

"کیا کیا نہ سوچا تھا میں نے تم دونوں کے لیے۔ مگر میرے ارمانوں کو حاسدوں کی نظر لگ گئی۔" انہوں نے ایک ٹھنڈی آہ بھری "لیکن فکر مت کرو' تم میری بیٹی ہو میری ہی رہو گی' شرجیل نہ سہی' عدیل ہے نا۔ ویسے اس بدھو کے لیے تو میں نے الماس آپا کی مائرہ کا سوچ رکھا تھا۔ چلو خیر اب جو خدا کو منظور۔" انہوں نے اس کی رائے نہیں پوچھی تھی اپنا فیصلہ سنایا تھا۔

"ان شاء اللہ' آج ہی سب طے ہو جائے گا۔ تمہارے چچا نے بتول بھابھی کو اپنے کمرے میں بلایا ہے۔" دوپٹا سنبھالتی وہ دروازے کی طرف بڑھیں۔

"تم تھوڑی دیر میں چائے دے جانا۔" رک کر کہا اور کمرے سے نکل گئیں۔

اور وہ سوچ رہی تھی کہ چچی امی کے اس فیصلے پر اسے خوش ہونا چاہیے یا نہیں۔ جو نام اس کی ہر سانس ہر دھڑکن میں تھا' آج ہاتھوں کی لکیروں میں بھی لکھ دیا جائے گا۔ مگر کیا وہ خود بھی اس کا تھا؟

لامتناہی سوچوں کا جال اس کے وجود سے چمٹ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ہسپتال کے بستر پر آخری سانسیں لیتے ہوئے ایک آخری خواہش میری مٹھی میں دے گیا تھا اور میں اتنا بے بس ہوں کہ ایک مرتے ہوئے شخص کو دیا قول بھی نہ نبھا سکا۔" چچا میاں کے کمرے کے بند دروازے کے پیچھے سے ان کی پژمردہ آواز ابھری تھی۔ وہ نجانے کیا سوچ کر یہاں آ کھڑی ہوئی تھی۔

"مجھے اس معاملے میں گھسیٹنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔ میرے پہلے فیصلوں پر کب عمل درآمد ہوا ہے جو اب نئے فیصلے کروں۔ تم ماں بیٹوں کے جو جی میں آئے کرو۔" ان کی آواز نم تھی۔ روحی کی آنکھوں نے چپکے سے چچا کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔

"آپ سے کچھ پوچھنا تو گناہ ہے' بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔ رمشا ہو یا روحی' دونوں ہی آپ کے مرحوم بھائی کی بیٹیاں ہیں۔ ادھر شرجیل اور عدیل بھی آپ کے بیٹے پھر پچھتاوا کیسا۔ شجی نے تو اپنی مرضی کر ڈالی۔ اب اس سے پہلے کہ عدیل بھی اس کی راہ چلے' ہمیں گڑے مردے اکھاڑنے کے بجائے کوئی فیصلہ کر لینا چاہیے۔" چچی کی بات پر کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی۔

"قیامت کے دن میرا بھائی دامن پکڑ کر پوچھے گا کہ تو نے کہا تھا رمشا' شجی کی امانت ہے تو کیا جواب دوں گا۔" کچھ توقف کے بعد چچا نے پھر کہا تھا جسے چچی نے نظر انداز کر دیا۔

"بتول! تمہیں کوئی اعتراض ہو تو بتاؤ۔" جواب میں امی نے شاید نفی میں سر ہلا دیا تھا جب ہی چچی امی کے لہجے سے خوشی جھلکنے لگی تھی۔

"بس پھر ٹھیک ہے رمشا کے لیے جس رشتے کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا انہیں بھی بلا لیتے ہیں۔ اگر بات بن گئی تو عدیل اور روحی کے نکاح کے ساتھ ہی رمشا کی بھی کوئی رسم وغیرہ کر دیں گے۔"

وہ نجانے اور کیا کیا کہہ رہی تھیں' روحی سن نہ پائی۔ اسی وقت عدیل اور نبیل جھگڑتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے تھے اور روحی کو دروازے سے ہٹنا پڑا۔

"کتنی بار منع کیا ہے ان لڑکوں کے ساتھ اسنوکر کھیلنے مت جایا کرو۔ وہ اچھے لڑکے نہیں ہیں۔" عدیل

غصے سے کہہ رہا تھا۔
"نہیں چھوڑ سکتا' وہ دوست ہیں میرے۔" نبیل بدلحاظی سے بولا۔
"سارے علاقے کے غنڈے اور چھٹے ہوئے بدمعاش ہی رہ گئے ہیں تمہارے دوست بننے کو۔ آخری بار منع کر رہا ہوں خبردار! تمہیں دوبارہ ان کے ساتھ نہ دیکھوں۔" عدیل کی آواز کچھ بلند ہوئی۔
"تم کون ہوتے ہو مجھ پر حکم چلانے والے۔ یہ اچھائی اور برائی کے پیمانے اپنے پاس ہی رکھو۔ جانتا ہوں میں تمہارے بھی سب کرتوت۔" نبیل غصے میں چلاتے ہوئے تہذیب و اخلاق کی حدود پھلانگ رہا تھا۔
اس شور و غل پر چچی امی اور امی کے پیچھے چچا بھی چھڑی کے سہارے باہر آگئے۔ دو دو سیڑھیاں پھلانگ کر رمشا چھت سے نیچے آئی تھی اور صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔
"میں محلے کے لڑکوں کے ساتھ اسنوکر کھیلوں تو برا ہوں' خود گھر کی دونوں لڑکیوں سے معاشقہ چلاتے رہو تب بھی کوئی برائی نہیں۔ ان کے ساتھ گھومو پھرو' ڈیٹ مارو سب جائز۔" نبیل کے الفاظ کوڑوں کی طرح برس رہے تھے۔
"بکواس بند کرو ورنہ تمہارا منہ توڑ دوں گا۔" عدیل نے گھر والوں سے نظریں چرائی تھیں تو رمشا اور روحی کے سر بھی جھک گئے تھے۔
"اپنی دم پر پاؤں آیا تو کیسے۔۔۔" نبیل کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے چچی امی نے آگے بڑھ کر اس کے گال پر طمانچہ مارا۔
"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی تو اتنا بے غیرت ہو جائے گا کہ ماں بہن کی تمیز بھول جائے گا۔ سب کان کھول کر سن لو' اگلے جمعہ روحی اور عدیل کا نکاح ہے۔ رمشا! کل کچھ لوگ تمہیں دیکھنے آرہے ہیں ہو سکتا ہے ان کے نکاح کے ساتھ تمہاری منگنی بھی ہو جائے۔" ایک ہی سانس میں بہت حوصلے سے سب کہہ کر وہ واپس پلٹیں اور بتول کے گلے لگ کر رونے لگیں۔
چچا کے دکھ کا بھاری بوجھ چھڑی کے ناتواں کندھوں پر گراں ہوا تو وہ لرزنے لگی اور چچا دروازے کے سہارے دہلیز پر ہی بیٹھتے چلے گئے۔
رمشا کچھ دیر پھٹی پھٹی آنکھوں سے سب کو باری باری دیکھتی رہی پھر اپنے کمرے کی جانب بھاگی۔ اسی رات اس نے چھری سے اپنی کلائی کی رگیں کاٹ ڈالی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"امی! آپ چچی امی کے ساتھ گھر چلی جائیں۔ دو راتوں سے مسلسل جاگ رہی ہیں۔ اس طرح تو آپ خود بیمار پڑ جائیں گی۔ آج رمشا کے پاس میں رہ لوں گی۔" روحی نے ان کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔
"بتول چچی! روحی ٹھیک کہہ رہی ہے آپ لوگ گھر جائیں۔ نبیل چھوڑ آئے گا۔ رمشا کی بالکل فکر مت کریں ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں۔ اب یہ خطرے سے باہر ہے پھر میں بھی یہیں ہوں۔" عدیل نے بھی انہیں دلاسا دیا۔
نبیل ٹیکسی لینے چلا گیا تو اس نے بتول چچی کو دونوں کندھوں سے پکڑ کر بینچ سے اٹھایا اور سہارا دے کر آہستہ آہستہ ان کے ساتھ چل پڑا۔
"امی! آپ ابا کو حوصلہ دیجیے گا ان کی صحت اب مزید کوئی پریشانی برداشت کرنے کے قابل نہیں ہے۔" عدیل کھانے کے برتن سمیٹتی ہوئی چچی سے مخاطب تھا۔
وہ لوگ رخصت ہوئے تو روحی' رمشا کے بیڈ کے پاس چلی آئی۔ کمبل درست کیا اور ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھنے لگی۔ مختلف قسم کی نالیوں میں جکڑا ہوا اس کا وجود بے بسی کی تصویر بنا ہوا تھا۔ سیاہ حلقے بند آنکھوں کے گرد مزید نمایاں ہو رہے تھے۔
"رمشا بجو! یہ کیا کر ڈالا آپ ایسی تو نہ تھیں۔" روحی کا دل بھر آیا۔
دو روز قبل اس پراذیت رات میں جب روحی' نبیل کی باتوں کی بازگشت سے چھپنے کی کوشش میں بستر

پر کروٹیں بدل رہی تھی تو رمشا کی بے کلی بھی اس سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔ بے قراری سے پہلو بدلتے ہوئے وہ اٹھ بیٹھی اور پانی پینے باورچی خانہ میں چلی گئی۔ پھر جب وہ کافی دیر بعد بھی نہ لوٹی تو روحی کو عجیب و غریب وہم ستانے لگے۔

وہ تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ کچن کے دروازے تک آئی تھی۔ دروازہ کھولتے ہی ایک دلخراش منظر نے اسے بے اختیار چیخنے پر مجبور کر دیا رمشا خون میں لت پت فرش پر پڑی تھی۔

اس کا کافی خون ضائع ہو گیا تھا۔ ڈاکٹروں کا کہنا تھا اگر مزید کچھ دیر اسے اسپتال نہ لایا جاتا تو اس کا بچنا ناممکن تھا۔ اس کا بلڈ گروپ گھر میں صرف شرجیل اور نبیل سے ملتا تھا۔ نبیل کم عمر بھی تھا اور گھر والے اس کے گزشتہ رویے پر شاکی بھی تھے لیکن اس نے ضد کر کے اپنا خون رمشا کو دیا۔ اس عمل میں شاید ایک احساس ندامت بھی تھا۔ وہ طیش میں آکر اپنی حد سے تجاوز کر گیا تھا۔ مگر اب پشیمانی حد سے سوا تھی۔ اوائل عمری کے ناپختہ ذہن نے جس منظر کو جس انداز میں دیکھا، سمجھا کہہ ڈالا۔

ہلکی سی کراہ پر روحی دوبارہ رمشا کی طرف متوجہ ہوئی لیکن وہ خواب آور گولیوں کے زیر اثر سو رہی تھی اردگرد بے مقصد نظر دوڑاتے ہوئے اسے ای کا بٹوہ میز پر پڑا نظر آگیا۔

"اوہ! اب وہ گھر جا کر مزید پریشان ہوں گی۔" بٹوہ اٹھا کر وہ تیزی سے گیٹ کی طرف بھاگی۔ مگر بے سود، وہ لوگ جا چکے تھے عدیل بھی اسے کہیں نظر نہ آیا تو واپس آگئی۔

"میں وعدہ کرتا ہوں، تم جو کہو گی، وہی ہو گا۔ مجھے صرف تمہاری خوشی عزیز ہے۔" یہ عدیل کی آواز تھی جو کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اس کی سماعت سے ٹکرائی تو قدم خود بخود رک گئے۔ رمشا بہت مدھم آواز میں کچھ کہہ رہی تھی جسے وہ صرف جھنجھناہٹ کی صورت سن سکتی تھی۔ لیکن عدیل کے الفاظ واضح

"تم تندرست ہو کر ایک بار گھر آجاؤ۔ پھر میں سب ٹھیک کرلوں گا۔"

"ہاں بھئی! پکا وعدہ۔ لیکن تم بھی وعدہ کرو۔ ایسی حرکت دوبارہ نہیں کرو گی۔ ایسا کرتے ہوئے تمہیں اس دل کا خیال بھی نہیں آیا جو صرف تمہارے لیے دھڑکتا ہے۔"

روحی کا دل ڈوبنے لگا۔

"بس! اب چپ ہو جاؤ۔ میں تمہاری ایک نہیں سنوں گا۔" وہ رمشا کا ہاتھ تھامے بہت اپنائیت سے کہہ رہا تھا۔

روحی میں مزید وہاں کھڑے ہونے کا یارا نہ رہا تو الٹے پاؤں پلٹ آئی۔ آج اسے بہت فرصت سے رہنا تھا۔ پانی کے یہ چند قطرے ہی فقط اس کے اختیار میں تھے۔ جنہیں جب چاہے، بہا سکتی تھی۔

"رمشا بجو! میں نے ارادتاً آپ کو کبھی کوئی دکھ نہیں دیا۔ آپ کی خوشیوں کے لیے راتوں کو جاگ جاگ کر دعائیں مانگیں۔ دوسروں کے عتاب سے بچانے کے لیے ہمیشہ آپ کے حصے کے کام بھی اپنے سر لیے تاکہ آپ خوش رہ سکیں۔ مگر آپ مجھ سے آج تک راضی نہ ہو سکیں۔ اب میرے دل کی اکلوتی خوشی بھی مجھ سے چھین لینا چاہتی ہیں۔۔۔ ٹھیک ہے اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو میں قربانی دینے کو تیار ہوں۔"

بہت عجیب فیصلہ کیا تھا اس نے ساتھ ہی روانی سے بہتے ہوئے آنسو بھی تھم گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"میری کچھ شرائط ہیں اگر انہیں مان لیں تو مجھے بھی آپ کا فیصلہ بخوشی قبول ہے۔" عدیل نے کھڑے ہو کر اٹل لہجے میں کہا۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس نے گھر کے تمام افراد کو چچا کے کمرے میں جمع کیا تھا۔ ضروری بات کا سن کر روحی کو اسپتال میں کیے اس کے عہد و پیمان یاد آگئے۔

"روحی سے نہیں، میں رمشا سے شادی کروں گا۔" روحی کے رک کر دھڑکتے ہوئے دل نے پیشن

گوئی کی۔ مگر وہ تو کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔
"نمبر ایک' رمشا کو کوئی شادی کے لیے مجبور نہیں کرے گا۔" عدیل نے انگلیوں پر شرائط گنوانا شروع کیں۔
"آخر کب تک؟" چچی امی پہلی شرط پر ہی خاموش نہ رہ سکی تھیں۔
"جب تک وہ خود نہ چاہے۔" عدیل نے چچی پر ایک انتہائی سنجیدہ نگاہ ڈالی۔ چچی زیر لب بڑبڑانے لگیں جسے نظرانداز کرکے وہ اگلی شرط پر پہنچ گیا۔
"نمبر دو' روحی سے میرا نکاح تین ماہ بعد ہوگا' جب تک میرا رزلٹ بھی آجائے گا اور میں کوئی چھوٹی موٹی نوکری بھی تلاش کرلوں گا۔" اس مرتبہ سب خاموش رہے۔
"نمبر تین' ہم شادی کے بعد الگ رہیں گے۔ میں کرائے کا مکان ڈھونڈ رہا ہوں جلد مل جائے گا۔"
آخری شرط روحی سمیت سب کے لیے خاصی ناقابل ہضم تھی لیکن وہ دوسروں کا ردعمل دیکھے بغیر وہاں سے چلا گیا۔
چار و ناچار اس کی تمام شرائط کو من و عن مان لیا گیا تھا۔ نکاح کی سادہ سی تقریب کے بعد وہ عدیل کے ہمراہ اس مکان میں آبسی' جو کمپنی کی طرف سے عدیل کو ملا تھا۔ یہ بہت اچھا سا گھر اس بہت اچھی ملازمت کے طفیل تھا جو نتیجہ نکلتے ہی عدیل کو مل گئی تھی۔ اس نے یونیورسٹی میں ٹاپ کیا تھا۔
یوں روحی کی نئی زندگی کا آغاز ایک بالکل بدلے ہوئے شخص کے ساتھ بہت روکھے پھیکے انداز میں ہوا تھا۔ جس کے نزدیک وہ صرف بیوی تھی' گھر والی اور گھر سنبھالنے والی۔ محبت کا دعوا عدیل نے پہلے بھی کبھی نہیں کیا تھا۔ مگر کچھ باتیں الفاظ کا روپ دھارے بنا ہی بہت خوب صورتی سے اپنا آپ سمجھا جاتی ہیں۔ بدقسمتی سے روحی ان کہی باتوں کے حسن پر ایمان لانے والوں میں سے تھی۔ اسی لیے آج اس کے پاس عدیل کے دل سے رمشا نام کی تختی اتار دینے کا کوئی ایک حق بھی نہ تھا۔ جبکہ رمشا پورے حق کے ساتھ ان دونوں کے درمیان آج بھی موجود تھی۔

☆ ☆ ☆

"سفید بکرا میرا ہے اس کو چارا میں کھلاؤں گی۔ تم وہ کالا بکرا لے لو۔" سوہا نے اپنے تئیں قربانی کے بکروں کی منصفانہ تقسیم کی۔
"نہیں مجھے اس سے ڈر لگتا ہے۔ میں اکیلی اس کے پاس نہیں جاؤں گی۔" سویرا ڈرتے ہوئے بڑی بہن کے پاس آکھڑی ہوئی۔
"ٹھیک ہے ہم دونوں مل کر انہیں باری باری چارا کھلا دیتے ہیں۔" سوہا نے مدبرانہ انداز سے بہن کو پرچایا۔
کھڑکی میں کھڑی روحی کی ممتا بھری نظروں نے دونوں بیٹیوں کی بلائیں لیں۔ جن کے زمانے کی فکروں سے بے نیاز چہروں پر چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے روشنی بکھری ہوئی تھی۔
وہ کھڑکی سے ہٹ آئی اور الماری سے استری کے لیے عید کے کپڑے نکالنے لگی۔ اسے اپنی بچپن کی عیدیں بھی یاد آنے لگیں۔ کس قدر پرمسرت ہوتے تھے وہ دن' ہر فکر سے آزاد بڑی سے بڑی فکر بس عید کے کپڑے اور جوتے مل جانے تک کی ہوتی۔ امی ان تینوں بھائی بہنوں کو عید کی چیزیں دلواتیں تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہتا۔ چچی امی بھی ہر عید پر روحی کے لیے جوڑا لینا نہ بھولتی تھیں یہ روایت انہوں نے اس کا بچپن گزر جانے کے بعد بھی جاری رکھی حتیٰ کہ شادی کے بعد بھی جب عدیل اسے لے کر کرائے کے مکان میں آبسا تھا۔ روحی کو خود اپنے لیے عید کا جوڑا بنانے کی عادت ہی نہ تھی۔
چچی کی وفات کے بعد پچھلے چند سالوں سے یہ فریضہ خود عدیل نے سنبھال لیا تھا۔ وہ بنا پوچھے بنا کچھ کہے خاموشی سے اس کے لیے عید کا سوٹ لاکر کمرے میں رکھ دیتے۔ وہ بھی خاموشی سے اٹھا کر استری کرکے بچوں اور ان کے اپنے جوڑے کے ساتھ الماری میں لٹکا دیتی۔

مگر یہ عید اس کی زندگی کی نرالی عید تھی سالہا سال کی روایت کیا وہ تو اسے بھی بھولے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں آئی نمی پونچھ کر وہ سوہا اور سویرا کے استری شدہ کپڑے ہینگر میں لگانے لگی۔

"بزرگوں کی خوشنودی حاصل کرنا اس قدر بھی دشوار نہیں وہ ہماری تھوڑی سی محبت اور ذرا سی توجہ اور احترام کے منتظر ہی تو ہوتے ہیں۔" چچی امی کی یاد سے جڑا ایک خیال اس کے ذہن سے گزرا۔

"بجو!! یہی وہ کنجی تھی آپ کی خوشیوں کے دروازے کی' جو آس پاس ہونے کے باوجود عمر بھر آپ کو کبھی دکھائی ہی نہ دے سکی۔ کیسے نظر آتی۔ اپنے ہی ارمانوں کی دھول اڑائے رکھی۔ ہر کچھ اس دھول کے غبار میں چھپا رہا۔ پھر۔۔۔ پھر ایسا کیا تھا کہ چچی کے انتقال پر۔۔۔"

وہ قریبی کرسی پر گر کر رونے لگی کیا کیا نہ تھا جو یادوں کے دریچوں پر دستک دے رہا تھا۔ وہ دن جب چچا راہی عدم ہوئے۔ وہ قیامت کے دن بھائی کا سامنا کرنے سے ڈرتے تھے۔ لیکن جب بلاوا آیا تو لبیک کہنے میں دیر نہ کی۔ ان کے تین ماہ بعد ہی امی کے کبھی نہ ختم ہونے والے کام اچانک نمٹ گئے۔ ایک رات وہ اپنی خاموش دنیا سمیٹ کر اپنے ساتھ لے گئیں۔

یکے بعد دیگرے ان دو صدمات سے وہ لوگ ابھی سنبھل نہ پائے تھے کہ اگلے ہی سال چچی۔۔۔ وہ نبیل کے امریکا جانے کے فیصلے سے سخت نالاں تھیں۔

"امی! شبھی بھیا نے اپنی مرضی کی آپ نے نہیں روکا' عدیل بھائی کی شرائط چپ چاپ مانیں۔ مگر اب میری باری پر اس قدر اعتراض؟" نبیل احتجاج کرتا تو وہ رونے لگتیں۔ پھر اس کی روانگی کی تاریخ سے پہلے خود رخت سفر باندھ لیا۔ سب ہی غم زدہ اور نڈھال تھے مگر رمشا۔۔۔ وہ اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روئی کہ سب کو اپنا غم بھلا کر اس کی فکر کرنی پڑی۔

"بجو! میں آپ کو کبھی سمجھ نہیں پاؤں گی۔" روحی نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور اٹھ کر عدیل کے کلف شدہ کرتا شلوار پر استری پھیرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"چاند تو بے شک آج دسویں کا ہے پھر بھی چاند رات مبارک۔" صائمہ اپنے مخصوص شوخ لہجے میں چہکی تھی۔

"تمہیں بھی مبارک ہو۔" روحی نے لہجے کو بہ مشکل بشاش بناتے ہوئے کہا۔

بچوں اور عدیل کے کپڑوں سے فارغ ہو کر اس نے ازراہ مروت رمشا سے بھی پوچھ لیا تھا کہ کچھ استری کروانا ہو تو۔۔۔ آخر وہ اس کے گھر پر مہمان تھیں اور روحی کو مروت نبھانے کی عادت تھی۔

رمشا نے بھی بہت پس و پیش اور عدیل کے بے حد اصرار پر دو جوڑے نکال کر اس کے حوالے کر ہی دیے جن سے نمٹنے کے بعد اب وہ کچن میں تھی۔ شیر خورما کی تیاری کے لیے اس نے خشک میوہ بھگو کر رکھا اور چائے بنانے لگی۔ گھنٹہ بھر پہلے عدیل نے اسے چائے کا کہا تھا۔ تب سے اب تک وہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے نجانے کون سے اہم مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کر رہے تھے' روحی جلدی جلدی ہاتھ چلا رہی تھی۔ مگر صائمہ کی کال نے اسے روک لیا۔

"دن میں تو قربانی کی مصروفیت ہو گی۔ لیکن رات کے کھانے پر آپ سب کو ضرور آنا ہے۔ میں نے زبردست مینو پلان کیا ہے سچ بجو! اکٹھے مل کر بیٹھے کتنا عرصہ ہو گیا۔ پھر نبیل بھائی' جویریہ بھابھی اور ان کے چنٹو بنٹو بھی آپ سے ملنے کو بہت بے تاب ہیں لیکن میں نے کہہ دیا ہے کل کے ڈنر سے پہلے کوئی کہیں نہیں جائے گا۔" صائمہ کے خلوص پہ روحی بے اختیار مسکرا دی۔ پھر فون رکھتے ہی چائے کی ٹرالی لے کر ڈرائنگ روم کا رخ کیا۔

"کتنے سال بیت گئے تمہاری صرف ایک ہاں کے انتظار میں۔ اب تو ہم بوڑھے ہو چلے ہیں۔ بس کرو رمشا! ضد چھوڑ دو۔ اب تو مان جاؤ۔" ڈرائنگ روم سے آتی عدیل کی مدھم مگر پرجوش آواز نے روحی کے قدموں کے نیچے سے زمین کھینچ لی تھی۔

"عدیل پلیز! مجھے مجبور مت کرو۔ اب ان باتوں کا وقت نہیں رہا۔ تم نے ٹھیک ہی تو کہا ہے' ہم واقعی بڑھاپے کی دہلیز کے قریب آپہنچے ہیں۔ جہاں اتنی عمر تنہا گزار لی باقی کی جو تھوڑی بہت ہے' وہ بھی گزر جائے گی۔" رمشا کے لہجے میں لاحاصلی کا غم ہلکورے لے رہا تھا۔

"تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔ یہ صرف ایک فرد کی خواہش کا سوال نہیں ہم سب کی خوشیوں کی ڈور تمہارے اس فیصلے سے بندھی ہے۔ میں ___ میرے بچے ___ کیا یونہی عمر بھر بیچ منجدھار میں ڈوبتے ابھرتے رہیں گے۔" عدیل کی جذبات سے مغلوب آواز روحی کے دل پر آرے چلا رہی تھی۔ وہ اک عمر اس لہجے کے لیے ترسی تھی۔ لیکن عدیل نے یہ جذبے جس کے نام کر رکھے تھے وہ بڑی دھونس سے کہہ رہی تھی۔

"تمہیں منع کس نے کیا ہے خوش ہونے سے؟ اپنا گھر ہے' بیٹیلی ہے۔ ایک مکمل زندگی ہے تمہاری۔ اسی مکمل زندگی کی خاطر ہی تم سے وعدہ لیا تھا کہ شادی کے بعد الگ رہو گے۔"

"اوہ! تو یہ فیصلے آپ کے تھے جنہیں میں اک عمر سے نبھا رہی ہوں۔" روحی کے گرد جھکڑ چلنے لگے۔

"میرے دل و دماغ پر جب تک تمہاری سسکیوں کا بوجھ ہے۔ اس وقت تک میں چاہتے ہوئے بھی کبھی مسکرا نہیں پاؤں گا۔ خدا کے لیے رمشا! ہم سب پر اور خود اپنی ذات پر یہ ظلم کرنا بند کرو۔ اگر تمہارے دل میں میرے لیے ذرہ برابر بھی احترام ہے تو آج میری بات ماننا پڑے گی۔" عدیل کے لہجے میں آنسوؤں کی نمی تھی۔ کون عورت ہو گی جس کا دل مرد کی اس قدر گریہ و زاری پر بھی نہ پگھل سکے۔

روحی کے اب یہاں کھڑے رہنے کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا۔ اس نے چائے کی ٹرالی وہیں چھوڑی اور اپنے کمرے میں آکر چند جوڑے جلدی جلدی ایک بیگ میں ٹھونسنے لگی۔ اس کی اصل متاع تو اس کی محبت' اس کا مان تھا' جب وہی نہ رہا تو چیزیں ساتھ لے جا کر کیا کرتی۔ اب تو اسے بنا منزل کے کسی اندھیرے راستے پر سفر کرنا تھا۔

"عدیل! تم نے اچھا نہیں کیا۔ اک زمانہ پہلے محبت کا ٹمٹماتا ستارہ تم نے میرے ہاتھ پر رکھا تھا۔ جس کی مدھم روشنی کے سہارے میں کسی اچھے وقت کی آس پر زندہ تھی۔ مگر آج تم نے وہ آس بھی چھین لی۔" بیگ کی زپ بند کر کے اس نے کمرے پر آخری نگاہ ڈالی اور چادر کے پلو سے آنسو پونچھتی ہوئی باہر آگئی۔ شکر تھا کہ بچیاں صحن میں نہیں تھیں ورنہ اس کے پاؤں کی وہ آخری زنجیر ثابت ہوتیں۔

لاؤنج کی کھلی کھڑکیوں سے اس نے آخری بار اپنے جگر پاروں کو دیکھا اور منہ پر ہاتھ رکھ کر سسکیاں ضبط کرتی وہاں سے ہٹ گئی۔ اپنے مردہ ہوتے وجود کو بہ مشکل کھینچ کر گیٹ تک لانے میں اسے ایک طویل مسافت درپیش تھی۔ وہ گھر جس کو سجانے سنوارنے میں اک عمر گزاری تھی جس کے در و دیوار سے اسے محبت تھی اور جس کو اپنا سمجھنے کے احساس میں وہ اپنے ہونے کا احساس فراموش کر چکی تھی۔ آج وہ احساس

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے

بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

ساری بھول ہماری تھی	راحت جبیں	300/-
او بے پروا مجن	راحت جبیں	300/-
ایک میں اور ایک تم	تنزیلہ ریاض	350/-
بڑا آدمی	نسیم سحر قریشی	350/-
دیمک زدہ محبت	صائمہ اکرم چوہدری	300/-
کسی راستے کی تلاش میں	میمونہ خورشید علی	350/-
ہستی کا آہنگ	ثمرہ بخاری	300/-
دل موم کا دیا	سائرہ رضا	300/-
ساڈا چڑیا دا چنبا	نفیسہ سعید	300/-
ستارہ شام	آمنہ ریاض	500/-
مصحف	نمرہ احمد	300/-
دست کوزہ گر	فوزیہ یاسمین	750/-
محبت من محرم	سمیرا حمید	300/-

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

اچانک اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔
یہ گھر اچانک سے مکان بن گیا تھا' صرف اینٹ گارے سے بنا ایک مکان۔
لیکن گیٹ کھولنے سے پہلے اطلاعی گھنٹی بج اٹھی۔
روحی نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا پھر بیگ اپنے پیچھے یوں رکھ دیا کہ گیٹ کھلنے پر ذرا اوٹ میں چلا جائے۔
"کیا ہوا روحی! راستہ کیوں نہیں دے رہیں؟ لگتا ہے اندر آنے کی اجازت ابھی نہیں ملی۔" گیٹ کھولنے پر وہ سامنے کھڑے شخص کو دیکھتی چلی گئی۔
وہی آواز' وہی لب و لہجہ یقیناً" یہ خواب نہیں تھا۔
"سب خیریت تو ہے نا یار! میں تو تیرا گرین سگنل ملنے پر آیا ہوں۔ مگر یہ روحی ـــ" اب وہ عدیل سے مخاطب تھے' جو شاید گھنٹی کی آواز پر باہر آئے تھے۔
"ہاں ہاں! ٹھیک وقت پر آئے ہیں۔ لیکن سچ سچ بتائیں۔ گلی کے نکڑ پر رک کر انتظار کر رہے تھے کیا؟"
عدیل کی خوشی سے بھرپور آواز نے روحی کو مزید حیرت میں ڈال دیا کچھ دیر پہلے والے عدیل کا ٹوٹا بکھرا لہجہ ایک دم غائب ہو چکا تھا۔
"میں نے اپنے حصے کا کام کر لیا ہے۔ تصویر بن گئی ہے۔ لیکن اس میں رنگ بھرنے کا کام آپ کا ہے۔ اب رمشا چاہے آپ کو پھولوں کے ہار پہنائے یا ـــ سب اکیلے ہی نمٹنا پڑے گا اندر جا کر۔ میں تو بالکل نہیں بولوں گا۔" شجی بھیا کے کندھے پر بازو رکھ کر انہیں اندر لے جاتے ہوئے عدیل کہہ رہے تھے۔
جواب میں انہوں نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔
روحی ان پل پل بنتی بگڑی کہانیوں کے گنجلک تاروں سے الجھتی باورچی خانے میں آگئی۔ مگر اس سے پہلے چپکے سے اپنا بیگ واپس الماری میں رکھ آئی تھی۔
ایک بار پھر چائے بنا کر لوازمات کے ساتھ اسی ٹرالی میں سجائی' جو ڈرائنگ روم کی دیوار سے لگی ہوئی تھی جس پر کسی کی نظر نہیں پڑی تھی۔ شکر ادا کرتی وہ اندر آگئی۔
"کھانا بنانے کے چکر میں مت پڑنا۔ آج ہم سب باہر کھانا کھائیں گے۔" چائے سرو کرنے میں اس کی مدد کرتے ہوئے عدیل نے سرگوشی کی تھی۔
"جی! بہت اچھا۔" اس نے نظر ملائے بغیر جواب دیا اور باہر آگئی۔
"اب میری بہن کو زندگی میں کوئی دکھ دیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ یاد رکھیے! جگا ٹائپ سالا بننے میں ایک منٹ نہیں لگاؤں گا۔" سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے عدیل کی مسکراتی آواز نے اس کا تعاقب کیا تھا۔
"میرے تو باپ دادا کی بھی توبہ ہے جناب!" شجی بھیا نے شاید کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔
"رہنے دو عدیل! اس کے لیے تو میں اکیلی ہی کافی ہوں۔" زینہ چڑھتے ہوئے اس کی سماعت سے ٹکرانے والی گنگناتی ہوئی آخری آواز رمشا کی تھی۔

☆ ☆ ☆

مہر بہ لب آسمان پر دسویں کا تنہا چاند اداسی میں تیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا بالکل اس کے دل کی طرح' جو سب کچھ جان کر بھی انجان اور نا سمجھ بنا بیٹھا تھا۔ اس نے ایک طویل عرصہ تک اپنے وجود میں سوئیاں گڑی ہوئی محسوس کی تھیں۔ مگر آج اس چبھن کے مسلسل اور تکلیف دہ احساس کو کسی نے پل بھر میں بے معنی کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کا دل پھر بھی خوشی سے محروم تھا شاید وہ احساسات کے خالی پن کا شکار ہو رہی تھی۔
کہیں ایک گم نام سی کسک ایک دکھ اب بھی تھا۔
عدیل نے رمشا اور شجی بھیا کی الجھی محبت کے سرے ملانے میں روحی اور خود اپنی زندگی کے بہت قیمتی سال تیاگ دیے تھے۔ اپنے ساتھ ساتھ اسے بھی کانٹوں پر چلایا تھا۔ اگر وہ اسے ایک دوست ایک ہم راز کی حیثیت سے ساتھ لے کر چلتے تو آج وہ ایک دوسرے سے اتنی دوری پر نہ کھڑے ہوتے۔ روحی کی آنکھیں ایک بار پھر برسنے پر آمادہ تھیں۔
"معلوم تھا تم یہیں ہوگی۔" قدموں کی آہٹ سنا کر پلٹی تو وہ سامنے تھے۔ روحی دوبارہ منڈیر سے ٹیک لگا کر چاند کو دیکھنے لگی۔ عدیل بھی اس کے برابر آن کھڑے

ہوئے مگر دونوں کے درمیان خاموشی حائل ہو گئی۔ دونوں ہی شاید پہل کیے جانے کے منتظر تھے۔

وہ بہت محویت سے روحی کے چہرے کو دیکھنے لگے۔ وہاں تحریر ہر سوال' ہر شکوہ گویا ان سے ہم کلام ہو رہا تھا۔

"روحی! آج میں بہت خوش ہوں۔" ان کی نظروں کے تعاقب میں چاند کو تکتے ہوئے آخر عدیل نے پہل کی۔ "خود سے جو عہد کیا تھا آج وہ پورا ہو گیا۔ میں نے قسم کھائی تھی جب تک رمشا کے چہرے پر ہنسی نہ سجادوں' تب تک اپنی طرف کھلنے والے خوشیوں کے سب دروازوں پر قفل لگائے رکھوں گا۔ شکر ہے! میرے اللہ نے مجھے سرخرو کیا۔"

روحی کی شکایتی نظروں نے اسے دیکھا اور ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

"بہت مشکل ہوتا ہے کہ جس نے دل کو دھڑکنا سکھایا ہو۔ وہی جیون ساتھی بھی ہو۔ پھر بھی انسان خوشیوں سے منہ موڑے رکھے۔۔۔ بہت مجبوری تھی روحی! میری بہن کی آنکھوں سے لہو رنگ آنسو بہتے تھے۔ ایسے میں میں کیسے ہنس سکتا تھا؟"

"مگر شجی بھیا کی وہ۔۔۔ امریکن بیوی۔" روحی کو اچانک کچھ یاد آیا۔

"اس پیپر میرج کو ختم ہوئے بھی ایک زمانہ ہو گیا۔

عدیل نے آگے بڑھ کر منڈیر پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"تم مجھ سے کچھ کہو گی نہیں؟"

"آپ نے شادی کے بعد الگ رہنے کا فیصلہ رمشا بجو کے کہنے پر کیا تھا؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

عدیل نے حیرت سے اسے دیکھا پھر مسکرا دیے۔

"وہ ان دنوں بہت وہموں کا شکار رہنے لگی تھی۔ امی سے وہ پہلے ہی سے خائف تھی۔ اسے ڈر تھا کہ شادی کے بعد ہم اکٹھے رہے اسی گھر میں تو امی ہمیں خوش نہ رہنے دیں گی۔۔۔ اور مجھے ڈر تھا کہیں وہ مستقل ذہنی مریضہ نہ بن جائے بس اسے مطمئن کرنے کے لیے یہ فیصلہ کیا۔" چند جملوں میں اس نے اک عمر کی کہانی سمیٹ دی۔

"اگر یہ سب کرنے سے پہلے مجھے اعتماد میں لے لیتے تو شاید یہ زندگی یوں بسر نہ ہوتی۔" روحی کے دل نے بے اختیار شکوہ کیا۔

"شش' جو حسن ان کہی میں ہے۔ وہ کہہ دینے میں کہاں۔" اس نے مچلتے دل کو سرزنش کی۔ اپنی زندگی کسی کی ان کہی کے نام کرنے والی آج خود بہت سے لفظوں کو اظہار کی لذت سے آشنا کیے بغیر چھوڑ رہی تھی۔

"چلو! ہم مل کر چاند سے باتیں کرتے ہیں۔" عدیل نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"یہ کہہ رہا ہے اچھی بیوی! زندگی کی کٹھن راہوں میں ساتھ نبھانے کا شکریہ۔ ویسے کبھی کبھی کہہ سن لینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور چاند راتوں میں چپکے چپکے بیگ لے کر نکل پڑنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔" روحی نے چونک کر عدیل کی جانب دیکھا۔ پھر نظریں جھکا لیں۔

"کوئی بات نہیں چاند میاں! ہو جاتا ہے کبھی کبھی ایسا بھی۔" عدیل نے بازو اس کے کندھے کے گرد حائل کرتے ہوئے مسکراتے لہجے میں کہا۔

"ہماری بیگم کو عید کا سوٹ بھی تو لینا تھا انہیں کیا معلوم میاں صاحب پہلے ہی لے آئے ہیں۔"

دونوں نے چاند سے نظریں ہٹا کر بیک وقت ایک دوسرے کو دیکھا اور دل کی گہرائیوں سے محسوس ہونے والی سچی خوشی نے ان کی بے ساختہ ہنسی میں رنگ ہی رنگ بھر دیے تھے۔ ان کہی کہنے سننے کو رات بھی ابھی بہت باقی تھی۔